اعمال کی اصلاح میں کیا مشکلات درپیش ہیں

(فرمودہ ۵/جون ۱۹۳۶ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے پچھلے جمعہ میں خطبہ میں بعض وہ اسباب بیان کئے تھے جن کی وجہ سے ایسے زمانہ میں جبکہ مذہب کے ساتھ حکومت نہ ہو عملی اصلاح عقیدہ کی اصلاح سے زیادہ مشکل نظر آتی ہے۔ آج میں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو اِس مضمون کا دوسرا حصہ بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے قبل میں بعض اعتراضات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو ایک دوست کی طرف سے مجھے موصول ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ نیشنل لیگ کور کی طرف سے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کا لاہور میں استقبال کیوں کیا گیا؟

۲۔ اخبار الفضل میں ان کے متعلق فخرِ وطن کے الفاظ کیوں لکھے گئے جبکہ ان کے کام جماعت احمدیہ کی پالیسی اور اس کے طریق کے خلاف ہیں؟

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلم لیگ میں داخلہ سے باوجود انگریز حکام کی تائید کے روکا کہ آخر یہ بھی کانگرس کی طرح ہو جائیں گے تو آج نیشنل لیگ کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟

۴۔ یہ کہ میں آپ کی تحریرات سے ہمیشہ یہ سمجھتا رہا ہوں کہ آپ ہندوستان کی آزادی کے حق میں

ہیں اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم آپ کو روکے ہوئے ہے۔

۵۔ یہ کہ یہ تغیر در حقیقت پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسروں کے ناجائز سلوک کی وجہ سے پیدا ہؤا ہے یعنی کسی حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کا موجب غصہ ہے۔

۶۔ یہ کہ میرے نزدیک یہ طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے مجھے اجازت دی جائے کہ اس بارہ میں اختلاف رکھ سکوں گو اِسے ظاہر کرکے فساد کا موجب نہ بنوں گا۔

یہ چھ باتیں ہیں جو ان کے خط کا خلاصہ کہی جاسکتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ممکن ہے بعض اور دوستوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہو رہے ہوں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس خط کا جواب خط کے ذریعہ دینے کی بجائے خطبہ میں دے دوں تا دوسروں کیلئے بھی میرے نقطۂ نگاہ کو واضح کر دینے کا موجب ہو۔

پہلی بات یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کے استقبال میں کیوں حصہ لیا گیا۔ اس کے متعلق سب سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آل انڈیا نیشنل لیگ ایک سیاسی انجمن ہے اور اس کے کاموں کی بنیاد سیاست پر ہے اور آل انڈیا نیشنل لیگ کا ہر فعل ضروری نہیں کہ جماعت احمدیہ کے اقدام کے پوری طرح مطابق ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ نیشنل لیگ سلسلہ کی روایات اور تعلیم کے خلاف چل سکتی ہے بلکہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے بلکہ ہونا چاہئے کہ جماعت احمدیہ بحیثیت جماعت جن کاموں میں دلچسپی نہ لینا چاہتی ہو لیگ ان میں دلچسپی رکھے کیونکہ جماعت احمدیہ بحیثیت جماعت مذہبی ہے اور اس کی دلچسپی بحیثیت مذہبی جماعت مذہبی کاموں سے ہی ہوسکتی ہے مگر آل انڈیا نیشنل لیگ ایک سیاسی جماعت ہے اور اس کی دلچسپی سیاسی کاموں سے ہی ہوسکتی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ کی روایات اور اصول سے نیشنل لیگ دور جاسکتی ہے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ دونوں کا میدانِ عمل جُدا ہے اور اس لئے دائرۂ عمل ضروری طور پر جُدا جُدا ہوگا اور طریقِ عمل بھی۔ ہر فرد جو نیشنل لیگ کا ممبر ہے جیسا کہ میں نے اس کی بنیاد کی اجازت دیتے ہوئے کہا تھا جب نیشنل لیگ کی ہدایت کے ماتحت اس کے ممبر کام کریں گے تو ان کے فعل کی ذمہ داری نیشنل لیگ پر ہی ہوگی اور سوائے اِس کے کہ ان کا قدم سلسلہ کی روایات اور اصول کے

خلاف ہو میں اس میں دخل نہیں دوں گا۔ ہاں خلاف ہونے کی صورت میں جیسا کہ میں نے پہلے بھی اعلان کر دیا تھا میرا فرض ہوگا کہ لیگ سے جواب طلب کروں یا اُسے مناسب ہدایات دوں لیکن جس حد تک کہ لیگ کا کوئی قدم اور سلسلہ کی تعلیم و اصول باہم ٹکراتے نہیں ہم اسے پوری آزادی دیں گے کہ سیاسی معاملات میں جس حد تک وہ دوسری قوموں سے تعاون کر سکتی ہے کرے صرف یہ پابندی اس پر ہوگی کہ اس کا کوئی قدم سلسلہ کی تعلیم کی خلاف نہ ہو۔

پس میرے اس اعلان کے بعد لیگ کے اس کام کو جو اس کے دائرہ عمل کے اندر ہے سلسلہ کی طرف منسوب کرنا سخت غلطی ہے۔ مِنْ حَیْثُ الْجماعت جماعت احمدیہ سیاسی کاموں میں حصہ نہیں لے سکتی مگر نیشنل لیگ کے ممبر اس کے ممبر ہونے کی حیثیت سے حصہ لے سکتے ہیں۔ جیسا کہ وہ احمدی جو مسلم لیگ یا مسلم کانفرنس کے ممبر ہیں ان کے اندر سیاسیات میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ جماعت احمدیہ کے نمائندہ اور اس کی پالیسی کے نمائندہ نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان کے فیصلوں کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد ہو سکتی ہے۔ کسی احمدی کا مسلم لیگ کا ممبر ہو جانے کے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ جماعت احمدیہ مِنْ حَیْثُ الْجماعت سیاسیات میں حصہ لے رہی ہے اور نہ ان کے فیصلوں کا اثر مِنْ حَیْثُ الْجماعت جماعت احمدیہ پر پڑے گا۔ اگر کوئی احمدی ممبر کسی فیصلہ کی تائید کرتا ہے تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ ساری جماعت ان فیصلوں کی پابند ہے۔ وہ شخص شخصی حیثیت سے وہاں رائے دے کر آیا ہے اور اگر وہ فیصلہ سے متفق ہے تو وہ شخصی طور پر اُس وقت تک اس کا پابند ہے جب تک کہ جماعت کی طرف سے اُسے روک نہ دیا جائے۔ اسی طرح نیشنل لیگ اگر کوئی فیصلہ کرتی ہے تو جماعت احمدیہ اس کی ذمہ دار اور پابند نہیں ہوگی۔ جماعت کا صرف اتنا کام ہوگا کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرے جو بِالبداہت اور بِالصراحت سلسلہ کی روایات اور اس کے اصول کے خلاف ہو اسے روک دے اور کہہ دے کہ آپ کے بحیثیت افراد جماعت احمدیہ ہونے کے ہم آپ کو کوئی ایسا کام نہیں کرنے دیں گے جس سے جماعت پر حرف آئے۔

پس لاہور میں پنڈت جواہر لال نہرو کا جو استقبال ہوا وہ جماعت کی طرف سے نہیں بلکہ نیشنل لیگ کی طرف سے تھا۔ نیشنل لیگ کور نیشنل لیگ کے ماتحت ہے اور بحیثیت اس اقرار کے جو کور میں بھرتی ہوتے وقت ہر شخص نیشنل لیگ سے کرتا ہے وہ پابند ہے کہ جب اسے وہ آواز

دے تو اس پر لَبَّیْکَ کہے جب تک خلیفۂ وقت کی آواز اُسے نہ روک دے۔ نیشنل لیگ کور کا ہر ممبر اپنے عہد اور اقرار کی وجہ سے اس بات کا پابند اور جوابدہ ہے۔ پس نیشنل لیگ کور کے ممبر لیگ کی ہدایت کے ماتحت قادیان سے بھی اور باہر سے بھی وہاں گئے اور پابند تھے کہ جاتے۔ اس کی ذمہ داری نیشنل لیگ پر ڈالنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ اس کا یہ فعل بُرا تھا بلکہ یہ بالکل جائز فعل تھا اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہ تھی اور ابتدا میں مَیں نے نیشنل لیگ کو جو ہدایات دی تھیں وہ ان کے عین مطابق تھا بالکل ٹھیک اور درست تھا مگر پھر بھی اسے جماعت احمدیہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی معمار، نجار یا لوہار احمدی اپنے ہم پیشوں کی کسی مجلس میں شریک ہو تو اس مجلس کا فیصلہ جماعت احمدیہ کا فیصلہ نہیں کہلا سکتا گو اس کی شمولیت ہماری خواہش کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ محض شمولیت سے اس کا فعل ساری جماعت کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا کیونکہ بعض اوقات اچھے افعال کی جُزئیات میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً کسی کام کی تفصیلات اگر میں سوچوں تو وہ اس سے مختلف ہونگی جو لیگ سوچے۔ اس لئے اس کا فیصلہ باوجود پسندیدہ ہونے کے میری طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ بالکل ممکن ہے کہ وہی فعل اگر میں کرتا تو اس کی تفصیلات بالکل اور ہوتیں۔

پس اوّل تو اس کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد نہیں ہوسکتی باقی رہا یہ سوال کہ وہ فعل سوال کرنے والے دوست کے نزدیک اتنا بُرا اور بھیانک تھا کہ جماعت کو اس سے روکنا چاہئے تھا یہ بات میری عقل سے بالا ہے۔ استقبال ایک اعزازی چیز ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بعض انگریز آتے اور میں نے خود دیکھا ہے کہ آپ میل دو دو میل سے ان کو چھوڑنے کیلئے چلے جاتے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی مہمان آیا اور آپ کے بستر پر رات کو پاخانہ کر کے صبح چلا گیا۔ اتفاقاً رستہ میں اسے یاد آیا کہ کوئی چیز وہاں بھول آیا ہوں اُسے لینے کیلئے وہ واپس آیا تو دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کسی خادمہ کو ساتھ لے کر اُسے دھو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ دل میں سخت شرمندہ ہؤا کہ میں نے کیا سلوک کیا تھا اور یہ میرا کس قدر اعزاز کرتے ہیں۔ تو کسی کا اعزاز کرنے کے یہ معنے نہیں ہؤا کرتے کہ اس کے خیالات سے کلی اتفاق

ہے بلکہ اعزاز انسانیت اور مذہب کی طرف سے ضروری ہے بشرطیکہ اس میں بے غیرتی نہ پائی جائے۔ اگر پنڈت جواہر لال نہرو صاحب اعلان کر دیتے کہ احمدیت کو مٹانے کیلئے وہ اپنی تمام طاقتیں خرچ کر دیں گے جیسا کہ احرار نے کیا ہؤا ہے تو اس قسم کا استقبال بے غیرتی ہوتا لیکن اگر اس کے برخلاف یہ مثال موجود ہو کہ قریب کے زمانہ میں ہی پنڈت صاحب نے ڈاکٹر اقبال صاحب کے ان مضامین کا ردّ لکھا ہے جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیئے جانے کیلئے لکھے تھے اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے احمدیت پر اعتراض اور احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا سوال بالکل نامعقول اور خود ان کے گزشتہ رویہ کے خلاف ہے تو ایسے شخص کا جبکہ وہ صوبہ میں مہمان کی حیثیت سے آ رہا ہو ایک سیاسی انجمن کی طرف سے استقبال بہت اچھی بات ہے جو اقوام کے دلوں سے باہمی بُغض اور تعصب کو دور کرنے کا موجب ہو سکتی ہے۔

میں پہلے بھی کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ ایک دفعہ لاہور کے ایک ہندو ڈاکٹر یہاں آئے اور مجھے بھی ملے انہوں نے بتایا کہ چند روز ہوئے گاندھی جی کہہ رہے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں قادیان جاؤں اور جماعت احمدیہ کے امام سے مل کر انہیں اپنے ساتھ کام کرنے پر آمادہ کروں کیونکہ یہ بہت منظّم جماعت ہے اور بہت اچھا کام کر سکتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ میری طرف سے انہیں کہہ دیں کہ وہ ضرور تشریف لائیں ہم ان کا شاندار استقبال کریں گے میں سب لوگوں کو جمع کروں گا اور خود بھی جلسہ میں شامل ہوں گا۔ وہ جتنا عرصہ چاہیں تقریر کریں اگر ان کے خیالات سے مجھے اختلاف ہؤا تو بعد میں مَیں بھی تقریر کروں گا اور اگر ان کی بات کا مجھ پر اثر ہؤا تو میں مان لوں گا اور اگر ان پر میری بات کا اثر ہؤا تو وہ مان لیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ گورنمنٹ کے کسی حصہ کے ساتھ ہمارے اختلاف کا کوئی سوال ہی نہ تھا بلکہ لوگ ہمیں حکومت کے خوشامدی کہتے تھے اور حکومت بھی ہمیں اپنا دوست سمجھتی تھی۔ اُس وقت میں نے کہا تھا کہ ہم گاندھی جی کا شایانِ شان استقبال کریں گے۔ پس اگر نہرو صاحب کے لاہور آنے پر نیشنل لیگ نے جس کا وہاں مرکزی دفتر ہے (آل انڈیا نیشنل لیگ کا مرکزی دفتر قادیان میں نہیں بلکہ لاہور میں ہے) اگر ان کا استقبال کیا تو یہ عین شرافت اور اچھی مثال کہلائے گا نہ کہ قابلِ اعتراض۔

یہ خیال کہ جس سے اختلاف ہو اُس کا اعزاز نہیں کرنا چاہئے بالکل غلط ہے۔ ہم

انگریزوں کا اعزاز ہمیشہ سے کرتے ہیں حالانکہ وہ عیسائی ہیں اور عیسائیت کو مٹانا ہمارے مقاصد میں ہے۔ پس اگر عیسائیت سے اِس قدر شدید اختلاف کے باوجود ہم انگریزوں کا اعزاز کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نہرو صاحب کا اعزاز کرنا ناجائز ہو۔ اگر ہم ان لوگوں کا اعزاز تو جائز رکھیں جو خدا کو ایک نہیں بلکہ تین سمجھتے ہیں لیکن اس کا استقبال ہمارے نزدیک ناجائز ہو جو یہ کہتا ہے کہ ہندوستان انگریزوں سے آزاد ہونا چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگوں کو خدا کی بادشاہت سے نکالتے ہیں ان کا اعزاز تو ہمارے نزدیک جائز ہے لیکن جو انگریز کی بادشاہت سے ملک کو نکالنا چاہتا ہے اس کا جائز نہیں گویا خدا تعالیٰ کی بادشاہت سے بھی زیادہ ہمیں انگریز کی بادشاہت عزیز ہے۔ اگر باوجود اس ہتک کے جو انگریز یعنی عیسائی ہمارے اس خدا کی کرتے ہیں جس کے بِالمقابل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہستی مچھر کے برابر بھی نہیں ہم انگریزوں کا اعزاز کر سکتے ہیں تو پھر یقیناً نہرو صاحب کا استقبال بھی ہم کر سکتے ہیں۔ اگر سیاسی اختلاف پر اعزاز ناجائز ہوتا ہے تو مذہبی اختلاف پر یقیناً ناجائز ہو جائے گا اور ہم پھر انگریزوں کا اعزاز بھی نہیں کر سکیں گے لیکن ہماری پچاس سالہ تاریخ گواہ ہے کہ باوجود عیسائیت کی شدید دشمنی کے اور باوجود اس کے کہ اسے مٹانا ہمارے مقاصد میں داخل ہے ہم انگریز سے دوستی جائز سمجھتے رہے ہیں، رکھتے رہے ہیں، رکھ رہے ہیں اور رکھتے جائیں گے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم پنڈت نہرو صاحب کا استقبال نہ کریں اور خواہ وہ اچھا کام ہی کرتے ہوں ان کی عزت نہ کریں۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے اس لئے نیشنل لیگ نے جو کچھ کیا ٹھیک اور درست کیا اور بہت اچھی مثال قائم کی ہے۔ اب اگر سیاسی طور پر نیشنل لیگ کا کوئی لیڈر کہیں جائے تو ہم کانگرسیوں سے امید کر سکتے ہیں کہ وہ اس کی عزت کریں اور اگر وہ نہ بھی کریں تو بہرحال اخلاقی لحاظ سے ہماری ان پر فتح رہے گی اور دنیا دیکھ لے گی کہ نیشنل لیگ نے باوجود اختلاف کے کانگرسی لیڈر کا استقبال کیا مگر کانگرسیوں نے اس کے لیڈر کا اعزاز نہیں کیا لیکن ابھی یہ قیاسات بہت دور کے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسی مثالیں قائم کی جائیں تو آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے ساتھ مروّت اور محبت کا سلوک پیدا ہوگا اور ہندوستانی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے لیڈروں کا اعزاز کرنا سیکھ جائیں گے اس لئے میرے نزدیک نیشنل لیگ کا یہ فعل قابلِ استحسان ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پنڈت نہرو صاحب کو فخر وطن کیوں لکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو یہ لفظ ان معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان کے سچے اور صحیح راہنما ہیں تو میں بھی اس دوست کے ساتھ اعتراض میں شریک ہوں کہ یہ استعمال غلط ہے لیکن اگر استعمال ان معنوں میں ہے کہ وہ اپنے رنگ میں ملک کی بہتری کیلئے کوشش کررہے ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ نہرو صاحب یا گاندھی جی یا اور وہ لوگ جو ہندوستان یا دنیا کی بہتری کیلئے کوشش کرتے ہیں ان کے احترام کیلئے ہم تیار ہیں اور اسے عار نہیں بلکہ فخر سمجھتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کو ہم دیکھتے ہیں آپ ہمیشہ غیر قوموں کے لیڈروں کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بخاری کی روایات میں ہے کہ ایک کافر سردار آیا تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کا استقبال کرو اور قربانی کے بکرے اس کے رستہ میں کھڑے کردو تا اس پر ایک نیک اثر ہو کیونکہ وہ قربانی کو پسند کرتا ہے۔ وہ سردار آپ کا حاکم نہ تھا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انگریز ہمارے حاکم ہیں بلکہ مدّ مقابل تھا مگر باوجود اس کے آپ نے صحابہ کو اس کے استقبال کیلئے بھیجا۔ پس اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہر شخص جو کسی شعبۂ زندگی میں اچھا کام کرتا ہے یقیناً وہ ہمارا کام کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَھَا حَیْثُ وَجَدَھَا[1] حکمت کی بات مؤمن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ پس جو کوئی حکمت کا کام کررہا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اتنے حصہ میں ہم اس کی تعریف کرسکتے ہیں۔ اگر ایک شاعر کی باوجود اس کے کہ شعر اخلاقاً خراب ہوتے ہیں ہم تعریف کرسکتے ہیں تو کیوں ایک سیاسی خادم کی تعریف نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر کوئی شخص اس تعریف پر غیر معمولی زور دے تو یہ اس کی غلطی ہوگی۔ مثلاً توحید کی تعلیم میں جن کے ساتھ ہمارا اتحاد ہوسکتا ہے ہم ان سے اتحاد کریں گے مگر جہاں وہ رسالت کا انکار کریں گے ہم ان کی مخالفت کریں گے۔ یہ قرآن کریم نے یہودیوں کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ خدا کے بارہ میں ہمارا اور تمہارا اتفاق ہے آؤ مل کر کام کریں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر پنڈت نہرو صاحب سے کسی معاملہ میں ہمارا اتفاق ہو تو ان سے مل کر کام نہ کرسکیں۔

میں سالہا سال سے یہ بات پیش کررہا ہوں کہ کانگرس کی ناکامی کا بڑا موجب یہ امر ہے کہ وہ اس کو اپنے ساتھ شامل کرتی ہے جو سولہ آنہ اس سے متفق ہو ورنہ علیحدہ کردیتی ہے۔ میں نے

کئی بار بتایا ہے کہ مذہب میں تو یہ بات درست ہے مگر سیاست میں نہیں۔ سیاست میں جہاں تک کسی سے جوڑ ہو مل کر کام کرنا چاہئے۔ پس اختلاف کے یہ معنے نہیں کہ مشترکہ امور میں بھی مل کر کام نہ کر سکیں سوائے اس کے کہ نقصان کا خطرہ اور ڈر ہو مگر پنڈت نہرو صاحب سے ملنے میں ہمیں کسی نقصان کا ڈر نہیں وہ گاندھی جی سے زیادہ اثر نہیں رکھتے۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں تو اس کیلئے بھی تیار ہوں کہ گاندھی جی یہاں آئیں جو چاہیں کہیں ہم سننے کیلئے تیار ہیں۔

یہاں ایک دفعہ آریوں کا جلسہ ہؤا جس میں انہوں نے ہمارے خلاف بہت شور مچایا، جلسہ کے بعد ان کے لیکچرار مجھ سے ملنے آئے میں نے ان سے کہا کہ سنا ہے آپ کو جگہ کے متعلق تکلیف ہوئی، آپ میرے پاس آتے میں مسجد میں انتظام کرا دیتا۔ وہ کہنے لگے کیا آپ اپنی مسجد میں اس کی اجازت دے دیتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ اگر ہمارے آقا و مولیٰ نے عیسائیوں کو مسجد میں اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت دی تو میں آپ کو مسجد میں لیکچر کی اجازت کیوں نہیں دے سکتا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آج لیکچر دے سکتا ہوں چنانچہ میں نے اجازت دی اور اسی مسجد میں ان کا لیکچر ہؤا جس میں مَیں بھی شامل ہؤا۔ اس کے بعد آریہ صاحبان کی موجودگی میں حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے ان کے اعتراضات کا جواب دیا اس کا ایسا اثر ہؤا کہ ان کا جلسہ ہی بند ہو گیا اور شاید بارہ تیرہ سال کے بعد اب ان کا جلسہ ہؤا ہے۔ تو مؤمن کیلئے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اگر دلائل کمزور ہوں تو ڈرنے کی کوئی بات بھی ہے لیکن جب مؤمن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ ہم دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لائیں گے تو وہ ہمارا شکار ہے اس سے ڈرنا کیوں ہے اور اگر بہ فرضِ محال ہمارے مخالف کے پاس سچ ہے تو اس کے قبول کرنے پر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہمیں احرار سے شکوہ یہ نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیوں نہیں مانتے بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے اختلاف کو لڑائی کی وجہ کیوں بنا لیا ہے۔ اسی طرح بعض انگریز حکام سے ہمیں یہ شکایت نہیں کہ وہ کیوں سمجھتے ہیں کہ یہ جماعت انگریزوں کے خلاف ہے، وہ اپنے دل میں اگر ایسا سمجھتے ہیں تو سمجھیں، شکایت یہ ہے کہ وہ بغیر تحقیقات اور تفتیش کے ہمیں کچلنا کیوں چاہتے ہیں۔ پنجاب کے ایک کمشنر مسٹر اوبرائن تھے وہ کہا کرتے تھے کہ سارے انگریز جو جماعت احمدیہ کو دوست سمجھتے ہیں بیوقوف ہیں یہ ایسی منظّم جماعت ہے کہ کسی روز

اپنی بادشاہت قائم کرلے گی مگر ہمیں ان سے شکوہ نہیں تھا کیونکہ وہ اس بناء پر ہمیں کوئی تکلیف نہیں دیتے تھے۔ یہ ان کا خیال تھا کہ یہ جماعت ایسے طریق پر چل رہی ہے کہ انگریزی حکومت کیلئے خطرہ کا موجب ہوسکتی ہے مگر ہمیں ان سے شکایت نہیں تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ گو وہ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے تھے لیکن درحقیقت کم عقل تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی کوٹھی پر جاکر بیٹھ جاتے اور مطالبہ کرتے کہ نکالوان کو یہاں سے۔ پس اگر پنڈت صاحب کو فخرِ وطن ان معنوں میں کہا جائے کہ ان کے بغیر وطن کی نجات نہیں ہوسکتی تو یہ جماعت کی تعلیم کے خلاف ہے لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ لائق اور خادمِ وطن ہیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ ایسے ہیں۔ یہ تو ایک لین دین کا معاملہ ہے کہ باوجود اختلافات کے ایک دوسرے کے بزرگوں کا ادب کیا جاتا ہے۔ پوپ روحانی باپ کو کہتے ہیں اب ہم لوگ بھی یہ لفظ استعمال کر لیتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم اسے روحانی باپ سمجھتے ہیں یا مذہبی طور پر ہم اسے اپنا پیشوا خیال کرتے ہیں۔ جو شخص ان معنوں میں اس لفظ کا استعمال کرے گا وہ عبارت اور لہجہ سے ہی پہچانا جائے گا۔ منافق جب کبھی ایسا لفظ استعمال کرے گا تو اس کا لہجہ اور ہوگا لیکن جب مؤمن کرے گا تو اس کا لہجہ اور ہوگا۔ پس ان معنوں میں اگر کسی نے پنڈت نہرو صاحب کو فخرِ وطن لکھ دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے جبکہ ہم دوسروں سے امید کرتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے بزرگوں کا ادب کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسروں کے لیڈروں کا احترام نہ کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خیالات میں بھی ان سے متفق ہوگئے ہیں۔ اگر میری نسبت کوئی غیر احمدی حضرت صاحب کا لفظ استعمال کردے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اس نے اپنے ہم عقیدہ لوگوں سے غدّاری کی؟ اگر آپ لوگ یہ امید کرتے ہیں کہ دوسرے آپ کے امام کی عزت کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ دوسروں کے لیڈروں کی عزت نہ کریں اسی لئے قرآن کریم نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم کسی کے بُت کو بھی گالی نہ دو کیونکہ وہ خدا کو گالی دیں گے۔[۲]

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب باوجودیکہ فنانشل کمشنر سرولسن نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زور دیا کہ مسلم لیگ گورنمنٹ کی مرضی کے مطابق کام کرنے والی ہے آپ نے اس کے خلاف اظہارِ رائے کیا اور فرمایا کہ نہیں یہ بھی اسی رَوش پر چلی جائے گی جس پر کانگرس جاچکی ہے تو نیشنل لیگ کے قیام کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے بدلنے کے

ساتھ ساتھ احکام کے معانی بدلتے جاتے ہیں۔ میں اس وقت جس طرح بعض لوگ یونہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں اس لئے حکم بھی بدل گیا ہے اس طرح نہیں کہہ رہا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جب فی الواقعہ حالات بدل جائیں تو یقیناً احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

جس وقت مسلم لیگ قائم ہوئی اُس وقت حکومت ہند نے ہندوستان کا نصبُ العین جمہوری حکومت قرار نہیں دیا تھا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حکومت نے اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور آزادی کو نصب العین نہیں قرار دیا اِس لئے لازماً اختلاف فساد کا موجب ہوگا لیکن جب حکومت نے خود جمہوری حکومت حاصل کرنا ہندوستان کا نصبُ العین قرار دے لیا ہے اور رائے عامہ کو تسلیم کرنا قانون کا جُزو قرار دے لیا ہے تو اب ایسے مطالبات کرنا انگریزی حکومت کے خلاف نہیں بلکہ اس کی تائید میں ہے۔ غرض پہلے جو انگریز مسلم لیگ کی تائید کرتے تھے وہ ان کی ایک سیاسی چال تھی مگر اب خود حکومت نے قانون بنا دیا ہے کہ ہندوستان کا نصب العین جمہوری حکومت ہے۔ پس نیشنل لیگ یہ مطالبہ نہیں کرے گی کہ اس سے باہر ہندوستان کو کوئی چیز دی جائے بلکہ وہ حکومت ہی کے قانون کی تشریح کا مطالبہ کرے گی اور وہ قانون خود انگلستان والوں نے بنایا ہے۔

اس کی ایک موٹی مثال ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک عیسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گندے اور ناپاک حملے کئے اور ایک کتاب لکھی۔ مسلمانوں کی طرف سے حکومت کو میموریل بھیجے گئے کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے اور اس شخص کو سزا دی جائے مگر آپ نے اس کی مخالفت کی لیکن آج ساری جماعت ان گندی کتابوں کے خلاف جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق شائع کی جاتی ہیں حکومت سے ضبطی کا مطالبہ کرتی ہے حتّٰی کہ احراری بھی اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے امام نے کہا تھا کہ اُمہات المؤمنین کو ضبط نہ کرانا چاہیئے بلکہ اس کا جواب لکھنا چاہیئے اور اب تم ضبطی کا مطالبہ کر کے گویا خود اپنے امام کے خلاف چلتے ہو۔ لیکن اس کا جواب یہی ہے کہ جب آپ نے ضبطی کا مطالبہ کرنے سے روکا تھا اُس وقت کا رائج قانون اس تصنیف کو ضبط کرنے اور مصنف کو سزا دینے کی اجازت نہیں دیتا تھا یہ قانون بعد میں بنا ہے۔ لارڈ ایلجن کے وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکومت کو خود توجہ دلائی تھی کہ جو شخص کسی کے بزرگ کی ہتک کرے

حکومت کو چاہئے کہ اسے سزا دینے کیلئے قانون بنائے۔ پس اگر اُمہات المؤمنین کے متعلق آپ نے ایسے مطالبہ سے روکا تو اس لئے کہ اُس وقت کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا۔ پس چونکہ حکومت بے بس تھی، کیونکہ اس کیلئے کوئی رستہ کھلا نہ تھا وہ قانون کے رو سے اس شخص کو پکڑ نہ سکتی تھی۔ ادھر یہ دیکھ کر کہ حکومت کچھ نہیں کرتی مسلمانوں میں جوش بڑھتا اور اس کا نتیجہ سوائے اِس کے کچھ نہ ہوتا کہ ملک میں بغاوت پیدا ہوتی اور فسادات بڑھ جاتے، ملک کا امن برباد ہو جاتا مگر اب حکومت نے ایسا قانون بنا دیا ہے اس لئے ہم اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ قانون جس غرض کیلئے بنایا گیا تھا اسے پورا بھی کیا جائے۔ اگر اس قانون کے ذریعہ سے کہ ہندو، سکھوں اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کی عزت کی حفاظت کی جاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جماعت احمدیہ کے بزرگوں کے متعلق یہ قانون معطّل رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کے تحفظ کیلئے اس کو استعمال نہ کرنے کے یہ معنے ہیں کہ یا تو حکومت ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہے اور ہمیں قانون کے فائدہ سے بھی محروم رکھنا چاہتی ہے یا پھر یہ کہ وہ اکثریت سے ڈرتی ہے اس صورت میں وہ خود غلطی پر ہے ہم مطالبہ کرنے سے قانون شِکن نہیں بنتے بلکہ وہ خود قانون شِکن قرار پاتی ہے۔ اس مطالبہ میں ہم ملک معظم کے نمائندہ ہیں اور حکومت قانون کو توڑنے والی ہے کیونکہ متواتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملے کئے جاتے ہیں اور حکومت کا ہاتھ معطّل رہتا ہے اور بیسیوں بار مطالبات کے بعد معمولی سی حرکت کرتا ہے۔

پس یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حالات کے بدلنے کی وجہ سے نیشنل لیگ کا قیام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے خلاف نہیں ہے ورنہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی گندی کتابوں کی ضبطی کے متعلق حکومت سے مطالبہ کرنا بھی آپ کے منشاء کے خلاف ہے۔ غرض واقعات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میموریل بھیجنے سے روکنے کی وجہ یہی تھی کہ اُس وقت کوئی ایسا قانون نہ تھا اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود وائسرائے کو ایسا قانون بنانے کیلئے لکھا۔ اب چونکہ ایسا قانون بن چکا ہے اس لئے ایسا مطالبہ کرنا ناجائز نہیں۔ اسی طرح جس وقت آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت سے روکا اُس وقت آزادی زیر سایہ برطانیہ ہندوستان کا نصبُ العین قرار نہ دیا گیا تھا بعد میں حکومت نے خود اس کا اعلان کر دیا۔ اب سیاسیات میں حصہ

لینے والی انجمن کی طرف سے اس کا مطالبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کہلا سکتا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ آپ کی تحریروں سے ہمیشہ آزادی کی خواہش ظاہر ہوتی ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ کم از کم ایک شخص نے تو محسوس کیا ہے کہ میں آزادی کا حامی ہوں مگر یہ غلط ہے کہ مجھے اس خیال کا حامی رہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم روکتی رہی ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم نے ہی مجھے یہ سکھایا ہے۔ جس چیز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم روکتی ہے اس سے آج بھی ہم رُکتے ہیں اور وہ بغاوت، فساد اور قانون شِکنی ہے۔ جو دُکھ ہمیں حکومت کے بعض افسروں کی طرف سے اب دیئے گئے ہیں وہ اگر ہزار گنا بھی بڑھ جائیں تو بھی ان چیزوں کو ہم کبھی جائز نہیں سمجھیں گے یہ اصولی تعلیم ہے۔ باقی رہا ہندوستان کی آزادی کا سوال میں ایک منٹ کیلئے بھی یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ہندوستان کی آزادی کا خیال گاندھی جی اور پنڈت نہرو صاحب کو اس سے نصف بھی ہے جتنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تھا۔ انبیاء ہمیشہ دنیا میں غلامی کو دور کرنے کیلئے آتے ہیں ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ دنیا کو کسی کا غلام بنا کر رکھیں بلکہ ان کا مقصدِ وحید یہی ہوتا ہے کہ دنیا کو آزاد کریں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی چونکہ مامور تھے اس لئے آپ کا بھی یہ مقصد تھا اس لئے جب بھی غلامی کی صورت پیدا ہو جماعت احمدیہ کا فرض ہوگا کہ اس کا مقابلہ کرے باقی تفاصیل میں مَیں اِس وقت نہیں جا سکتا کیونکہ میرا لیکچر سیاسی نہیں۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ ٹیپو سلطان سے انگریزوں کو اس قدر بُغض اِسی وجہ سے ہے کہ وہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کیلئے ان کے وجود کو خطرہ سمجھتا تھا اور شاید قریبی زمانہ میں تو نہیں مگر خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مَیں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس بادشاہ کا ادب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہی سیکھا ہے۔ میں نے بچپن میں ایک دفعہ جب ایک کُتّے کو ٹیپو ٹیپو کہہ کر پکارا تو آپ نے مجھے سختی سے روکا اور فرمایا کہ وہ ایک باغیرت مسلمان بادشاہ تھا تم ایک کُتّے کو اس کے نام سے کیوں پکارتے ہو؟ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی غلطی تھی کہ وہ کانگرس میں شامل نہ ہوئے (اس کے متعلق بھی ایک دوست نے اعتراض کیا ہے

کہ پھر احمدی کیوں کانگرس میں شامل نہیں ہوتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بتائی ہوئی شرطیں پوری نہیں ہوتیں اور نیشنل لیگ کا استقبال کانگرس میں شامل ہونے کے مترادف نہیں ہے) ہاں قانون شکنی اور عدمِ تعاون وغیرہ تحریکات کو آپ ہمیشہ ناپسند فرماتے رہے ہیں اور ہم بھی ناپسند کرتے رہیں گے۔ اس کے متعلق اسلام نے تفصیلی احکام دیئے ہیں اور ہم پر مظالم خواہ کتنے بھی بڑھ جائیں ہم ایسی تحریکوں سے بچیں گے۔ ہاں جو تعاون پہلے تھا ضروری نہیں کہ اسے قائم رکھیں عدمِ تعاون تو کسی صورت میں نہ کریں گے لیکن جہاں قانون مجبور نہیں کرتا وہاں تعاون بھی نہیں کریں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور یہ بات قانون کے خلاف نہیں۔

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اس کا موجب بعض حکام کا ناواجب رویہ ہے۔ مجھے اس جُرم کے اقرار میں کوئی تأمل نہیں۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ ہمارے اس رویہ کا موجب بعض افسروں کا ناواجب رویہ ہے اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اعتراض جب ہوتا اگر ہم اپنے اصل کو چھوڑ دیتے محض ناراضگی کا اظہار بُری بات نہیں بلکہ اس کے جواب میں ناواجب رویہ اختیار کرنا بُری بات ہے۔ اگر ہم نے اس صبر آزما حالت کے باوجود جماعت کو قابو میں رکھا ہے تو ہمارا یہ غصہ قابلِ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ صبر کی آزمائش غصہ کے وقت ہی ہوتی ہے کہ بچہ کو جب ماں دودھ دیتی ہے تو اُس وقت اس کے صبر کی آزمائش نہیں ہوتی بلکہ اُس وقت ہوتی ہے جب وہ غصہ سے دیوانی ہوکر اسے گھر سے نکالتی ہے۔ یہ ہمارے صبر کی آزمائش کا موقع تھا ہمیں سخت غصہ دلایا گیا مگر ہم نے کوئی ناواجب رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس فیصلہ سے زیادہ غصہ دلانے والی بات اور کیا ہوسکتی ہے جو مسٹر کھوسلہ نے کیا، اس سے زیادہ ناواجب رویہ کیا ہوسکتا تھا کہ راہ چلتے اور اپنی جائداد کی حفاظت کرتے ہوئے احمدیوں کو گرفتار کرلیا گیا، چھوٹے چھوٹے بچوں کی مجلسوں پر ایکٹ ۳۲ کا استعمال کیا گیا، کیا یہ معمولی باتیں تھیں اور کیا دنیا میں کسی دوسری جگہ ایسا کرکے حکومت کے افسر آرام سے رہ سکتے تھے؟ مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ پس اظہارِ ناراضگی کوئی بُری بات نہیں ناجائز ذرائع اختیار کرنا بُری بات ہے۔

آخری بات اختلاف رکھنے کی اجازت کے متعلق ہے۔ سو یہ اجازت میں ہمیشہ سے

دیتا آیا ہوں اگر سب باتیں سمجھانے کے باوجود کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ وہ متفق نہیں ہوسکتا تو جبکہ وہ فساد اور بدامنی نہ پیدا کر رہا ہو اور اختلاف کو اپنی ذات تک محدود رکھتا ہو اُسے اختلاف رکھنے کی اجازت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک شخص نے جو اَب ہمارے رشتہ دار اور عزیز ہیں کہا تھا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ مجھے حضرت علیؓ کو دیگر خلفاء سے افضل سمجھنے کی اجازت دی جائے وہ چونکہ شیعہ تھے اس لئے اِس قسم کی اجازت طلب کی اور آپ نے اجازت دے دی۔ پس اگر ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر خلفاء سے افضل قرار دیتے ہوئے بیعت کر سکتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنا کہ انگریزوں سے ہمارا اتنا تعلق ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے پنڈت نہرو صاحب کا استقبال تک ہمارے لئے جائز نہ رہے کوئی ایسی بات نہیں جو بیعت میں رہنے سے مانع ہو۔

اس کے بعد میں اُس مضمون کی طرف آتا ہوں جس کے متعلق میں گزشتہ دو ہفتوں سے خطبے دے رہا ہوں۔ میں نے تین ایسے اسباب بیان کئے تھے جن کی وجہ سے عمل کی اصلاح عقیدہ کی اصلاح سے زیادہ مشکل ہو جاتی ہے آج میں ایک چوتھا سبب بیان کروں گا جس کی وجہ سے اعمال کی اصلاح بہ نسبت عقائد کی اصلاح کے مشکل ہو جاتی ہے خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ مذہب کے ساتھ حکومت نہ ہو اور وہ سبب یہ ہے کہ عقیدہ کا تعلق عادت سے نہیں ہوتا بلکہ وہ جب بدل جاتا ہے تو ہمیشہ کیلئے بدل جاتا ہے مگر عمل کا تعلق عادت سے ہوتا ہے۔ کوئی شخص اگر دلائل سن کر یہ عقیدہ قائم کر لے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو وہ ان کی زندگی کے متعلق اپنے سابقہ عقیدہ کی طرف عادت کے طور پر بار بار نہیں لَوٹے گا بلکہ اس کا عقیدہ ہمیشہ کیلئے بدل جائے گا مگر اعمال میں عادت کا دخل ہوتا ہے (بے شک خیالات میں بھی عادت کا ایک حد تک دخل ہوتا ہے مگر بہت کمزور) عادت بے سوچے سمجھے کام کرنے کا نام ہے مگر عقیدہ جانتے ہوئے ایک بات کو ماننے کا نام ہے۔ تم کسی شخص کے پاس جاؤ اور یکدم ہاتھ اُس کے پیٹ کی طرف لے جاؤ وہ فوراً کود کر پیچھے ہٹ جائے گا۔

ہم جب بچے تھے تو اس طرح کھیلا کرتے تھے اب بھی بچے اسی طرح کھیلتے ہیں پہلے چھوٹی انگلی اٹھاتے ہیں کہ اس سے ڈرو گے پھر دوسری پھر تیسری اور پھر چوتھی اور پھر انگوٹھا جھٹ آنکھ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس پر دوسرا شخص یکدم آنکھ بند کر لیتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے یہ ڈر نہیں

بلکہ عادت ہے۔ چونکہ انسانی جسم نے عادت ڈال لی ہے کہ جب ایسا موقع ہوگا میں پیچھے ہٹوں گا۔ یہ بعد میں دیکھا جائے گا کہ خطرہ حقیقی تھا یا وہمی اس لئے جسم فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ماں جو بچہ پر جان فدا کرنے والی ہوتی ہے وہ بھی اگر بچہ کے پیٹ کی طرف اُنگلی لے جائے تو وہ جھٹ پیچھے ہٹے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جسم نے عادت ڈال لی ہے کہ ہوشیار رہنا چاہئے۔

تو غیر ارادی افعال کا نام عادت ہے لیکن عقیدہ غیر ارادی نہیں ہوسکتا۔ عمل چونکہ اکثر غیر ارادی ہوتے ہیں اس لئے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی عجیب عادت پڑ جاتی ہے کسی کو ہاتھ ہلانے کی، کسی کو کندھا، کسی کو سینہ، کسی کو ناک، کسی کو پاؤں ہلانے کی عادت ہوتی ہے، کسی کو اور کوئی عادت ہوتی ہے۔ غرض جسم میں مختلف حرکات کا پیدا ہوتے رہنا عادت کے طور پر ہر ایک انسان کے ساتھ لگا ہؤا ہے اور اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اعمال میں عادات کا بہت دخل ہے۔ مثلاً شراب یا افیون کی عادت ہے کہ ایک شخص یہ قربانی تو کر لیتا ہے کہ تین خداؤں کی جگہ ایک خدا کو مان لے اور یہ نہیں ہوگا کہ دوسرے دن عادتاً اسے تین خداؤں کا خیال آئے مگر افیون کھانے کیلئے اُس کے اندر ضرور خواہش پیدا ہوگی حالانکہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ کتنی معمولی چیز ہے وہ ایک کے مقابلہ میں دو خداؤں کو چھوڑ دے گا مگر افیون کی گولی کی قربانی نہیں کر سکے گا۔

ہماری جماعت میں سینکڑوں ایسے زمیندار ہیں جنہوں نے بھائیوں کو چھوڑ دیا، ماں باپ کو چھوڑ دیا، بیویوں کو چھوڑ دیا اور بیویوں نے خاوندوں کو چھوڑ دیا، قیمتی سے قیمتی چیزوں کو ترک کر دیا مگر حُقّہ کی نال کو نہیں چھوڑ سکے۔ جب وقت آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں پیٹ پھولنے لگتا ہے۔ اسی طرح چائے کی عادت گو اس سے کم ہے مگر جسے ہو وہ وقت آنے پر پاگلوں کی طرح پھرتا ہے۔ پٹھان کتنی غیرت والے ہوتے ہیں اور کشمیریوں کو ادنیٰ سمجھتے ہیں مگر مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہم ایک پہاڑ پر جارہے تھے میرے ساتھ ایک پٹھان دوست تھے جنہیں نسوار کھانے کی عادت تھی مگر وہ اپنی ڈبیا گھر بھول آئے تھے۔ راستہ میں ایک مزدور کشمیری آرہا تھا پٹھان دوست نے اُس کشمیری سے جس کی طرف دوسرے وقت میں وہ منہ کرنا بھی پسند نہ کرتے اور جو کندھے پر لکڑیاں اٹھائے ہوئے آرہا تھا نہایت لجاجت سے کہا کہ اے بھائی کشمیری! اے بھائی کشمیری جی! اے بھائی جی! آپ کے پاس نسوار ہے؟ مجھے یہ سن کر بے اختیار ہنسی آگئی کہ جو شخص تکبّر سے گردن

اونچی رکھتا تھا اب نسوار کی وجہ سے کس قدر لجاجت پر اُتر آیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کچھ دوست یہاں آیا کرتے تھے جن کو حُقّہ پینے کی عادت تھی۔ یہاں اور تو کسی جگہ حقہ ہوتا نہیں تھا ہمارے ایک تایا تھے جو سخت دہریہ تھے اور دین سے بالکل تعلق نہیں رکھتے تھے ان کے پاس حُقّہ کیلئے چلے جاتے اور مجبوراً ان کی باتیں سنتے۔ ہمارے وہ تایا ایسے شخص تھے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کبھی نماز بھی پڑھی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بچپن سے ہی سلیم الطبع ہوں میں بچپن میں بھی جب کسی کو سر نیچے کرتے دیکھتا تو ہنسا کرتا تھا مراد نماز سے تھی۔ وہ بھنگ بھی پیا کرتے تھے تو ہمارے بعض دوست حُقّہ کیلئے اُن کی مجلس میں چلے جاتے تھے اور ایسی ایسی باتیں جو وہ سلسلہ اور اسلام کے خلاف کرتے مجبوراً سنتے تھے۔ ایک دوست نے سنایا کہ ایک دفعہ ایک احمدی وہاں آ گیا اور پھر اپنے آپ کو گالیاں دیتا ہوا واپس آیا۔ کسی دوست نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا اس لئے اپنے آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہوں کہ حُقّہ کی خاطر نفس نے مجھے ایسی باتیں سننے پر مجبور کیا۔

تو عادتوں کو چھوڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے انہیں لاکھ سمجھاؤ، کتنی نگرانی کرو مگر پھر بھی وہ ضرور جھوٹ بولیں گے ان کی اصلاح مشکل ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہوتی نہیں کیونکہ اگر نہ ہوسکتی تو میں یہ خطبات ہی کیوں بیان کرتا مگر یہ کام ان کیلئے بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جب بات کرنے لگتے ہیں تو عادت کی وجہ سے ان کے دماغ میں ایک ایسی چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بغیر جھوٹ کے بات کا مزا نہ ہم کو آئے گا اور نہ سننے والے کو۔ پھر بعض لوگوں کو چسکے کی عادت ہوتی ہے اور اِس عادت کی وجہ سے بعض لوگ بڑی بڑی بے غیرتیاں کرتے ہیں۔ قادیان میں ایسے دس بارہ لڑکے ہیں جو دو دو چار چار پیسوں کیلئے احمدیوں کی جھوٹی سچی خبریں احراریوں کو جا کر دیتے ہیں۔ انہیں مٹھائی کھانے کی عادت پڑی ہوئی ہے گھر سے پیسے مل نہیں سکتے اِس لئے وہ خوامخواہ جھوٹی باتیں جا کر دشمنوں سے کہتے ہیں۔ تو عادت ایسی چیز ہے کہ اس کی اصلاح کیلئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عقیدہ میں عادت کا دخل نہیں ہوتا۔ پس عقیدہ کے مقابل پر عمل کی اصلاح کو جو اسباب مشکل بنا دیتے ہیں ان میں سے ایک عادت بھی ہے اور اس کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

چونکہ خطبہ کے پہلے حصہ نے زیادہ وقت لے لیا ہے اس لئے اِس مضمون کا باقی حصہ میں اگلے جمعہ کے خطبہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ بیان کروں گا اس وقت میں پھر یہ بات دُہرانی چاہتا ہوں کہ یہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہم نے عقیدہ کے میدان میں عظیم الشان فتح حاصل کی ہے مگر عمل کے میدان میں بُری طرح پِٹ رہے ہیں اور ضرورت ہے کہ عمل کی اصلاح میں بھی کامیابی حاصل کریں اور جب یہ دونوں دیواریں مضبوط ہو جائیں گی تو دشمن کسی راستہ سے بھی ہم پر حملہ نہ کر سکے گا، جب اس کیلئے ہمارے گھر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ رہے گا تو اسے سوائے ہتھیار ڈالنے اور ندامت سے سر جھکا لینے کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اِس معاملہ کے متعلق آپ میں سے ہر ایک کو خود بھی سوچنا چاہئے کہ جماعت کے عملی پہلو کی کس طرح اصلاح ہو سکتی ہے تا جب مَیں مضمون کے آخری حصہ پر پہنچوں تو آپ لوگ خود بھی اِس کیلئے تیار ہو چکے ہوئے ہوں اور جو بات مَیں پیش کروں وہ باہر سے آئی ہوئی معلوم نہ ہو بلکہ آپ کا نفس محسوس کرے کہ یہ اس کے اندر سے ہی پیدا ہوئی ہے اور اسے فوراً قبول کر لے۔

(خطبہ کے بعد ایک اور دوست نے چند اور سوال خطبہ کی بناء پر کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر پنڈت جی کے اس احسان کا یہ شکر یہ ہے کہ جو اُنہوں نے ڈاکٹر اقبال صاحب کے مضمون کا جواب لکھ کر کیا تو لیگ کیوں شامل ہوئی؟ سب جماعت کیوں استقبال میں شامل نہ ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ اس احسان کا شکر یہ ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ جو شخص ایسا فعل کرتا ہے اسے ہم جماعت کا دشمن نہیں کہہ سکتے اور اس وجہ سے اس کا استقبال کرنے والے کو بے غیرت قرار نہیں دے سکتے اور جب استقبال بے غیرتی نہیں تو صرف مہمان کا اعزاز رہ جاتا ہے جو ناجائز نہیں بلکہ مستحسن فعل ہے۔ باقی رہا دوسری جماعت کا سوال اگر ان میں سے وہ لوگ جو سرکاری ملازم نہیں اس استقبال میں شامل ہوتے تو یقیناً یہ بھی اچھی مثال ہوتی۔ میرے نزدیک وہ بھی قابلِ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ ایک دوسرے کے لیڈروں کا ادب جبکہ اس میں بے غیرتی نہ ہو یقیناً ایک اچھا فعل ہے۔ چنانچہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو ان کا استقبال خود انگریزوں نے نہایت شاندار کیا تھا اور ابھی حال ہی میں جب پنڈت جواہر لال نہرو صاحب انگلستان گئے تھے تو ان کا استقبال بھی انگریزوں نے کیا تھا۔ پس اگر انگریز گاندھی جی کا اور پنڈت جی کا

استقبال کر سکتے ہیں تو ہم انگریزوں سے بھی انگلستان کے زیادہ خیر خواہ نہیں کہ ان کا استقبال نہیں کر سکتے۔ اصل میں یہ اعتراض کم حوصلگی کی وجہ سے اور حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ورنہ اگر ان مواقع کے سِوا جب ایسے اعزاز بے غیرتی پر دلالت کرتے ہیں اگر مخالف خیال رکھنے والے لیڈروں کا اعزاز کیا جائے تو یقیناً ایک اچھی مثال قائم ہوگی اور دلوں میں سے منافرت دور ہوکر لوگ ایک دوسرے کی بات پر غور کرنے لگیں گے اور سچ کو ماننے کے زیادہ قریب ہو جائیں گے اور صداقت کے پھیلانے میں آسانی ہوگی)۔

(الفضل ۱۱؍جون ۱۹۳۶ء)

۱؎ ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی فضل الفقه میں یہ الفاظ ہیں اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا

۲؎ لَا تَسَبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسَبُّوا اللّٰهَ (الانعام:۱۰۹)